مشتاق احمد قریشی

یادگار لمحے

ادارہ نئے اُفق کے پبلشر اور محترم ابن صفی کے شاگرد خاص جناب مشتاق احمد قریشی کی زندگی کے سوگوار لمحے حبو یادگار لمحے بن گئے

ان لمحوں کا احوال جب زندگی کچھ دینے کی بجائے چھین لیتی ہے

۱۱ رمضان کو بوقت سحری میں نے ابھی پہلا لقمہ ہی لیا تھا کہ ٹیلی فون نے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ مُنہ سے بے ساختہ نکلا: الٰہی خیر!... فون ریسو کرتے ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ میں وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ میری اہلیہ اور والدہ نے آکر ہلایا جلایا اور پوچھا کہ خیریت تو ہے۔ کس کا فون تھا؟... کیا ہُوا؟ میں نے بڑی مشکل سے انھیں بتایا: صفی صاحب کا انتقال ہو گیا!"

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"۔ میری والدہ کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔

مجھے کچھ ہوش آیا تو فوراً اٹھا اور جس حال میں تھا، ویسے ہی پانی کا ایک گلاس پیتا ہوا گھر سے نکل پڑا۔ فوراً ابن صفی صاحب کے گھر پہنچا، تو باہر سناٹا تھا۔ ابھی کوئی اور نہیں آیا تھا

البتہ اندر گھر میں کہرام بپا تھا۔

ابن صفی صاحب نے تو صرف ایک لمحے میں اپنی زندگی کا سفر تمام کر لیا تھا، لیکن اس ایک لمحے میں یادوں کی جو قندیلیں روشن ہوئیں، میں آپ کو کیسے دکھاؤں۔ کاش! وہ ایک لمحہ، جس نے محترم ابن صفی کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا، میرے ذہن میں روشن یادوں کی تمام قندیلوں کو بھی بجھا دیتا۔ لیکن ان کی روشنی تو اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اس وقت، جب میں یہ تحریر سپردِ قلم کر رہا ہوں تو میری آنکھیں دُھندلا رہی ہیں اور مجھے محترم ابن صفی کے علاوہ کوئی عکس نظر نہیں آ رہا۔ میں حیران ہوں کہ ماضی کے دشتِ بے کراں میں کہاں سے قدم اٹھاؤں کہاں سے اس داستان کا آغاز کروں؟ میں اپنے آپ کو بے حد زخمی محسوس کر رہا ہوں۔ ذہن سنسان اور ویران ویران سا ہو گیا ہے۔ آج لفظوں کا کوئی قافلہ اِدھر سے نہیں گزر رہا۔ بس درد و کرب کی تیز آندھی چل رہی ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے... کچھ بھی نہیں!

وہ میرے لئے آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی مسکراہٹوں کے چراغ آج بھی روشن ہیں ان کے قلم کا جادو جاگ رہا ہے۔ بھلا زندۂ جاوید کرداروں کا خالق بھی کہیں مر سکتا ہے وہ اپنے کرداروں کے پیکر میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ محترم ابن صفی اپنے ہر چاہنے والے کے دل میں زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

بقول ابن صفی صاحب، ان کی تمام تر صلاحیتیں انھیں اُن کے ننھیال سے ورثے میں ملی تھیں۔ ان کے ننھیال میں اکثر افراد صاحبِ علم و فضل اور صاحبِ تصنیف تھے۔ ابن صفی کے پرنانا جناب حکیم احسان علی مرحوم اپنے دور کے مشہور و معروف طبیب تھے حکیم صاحب قبلہ نے طبِ یونانی پر متعدد کتابیں لکھیں، جن میں "طب احسانی" اور "معالجاتِ احسانی" اپنے دور کی مشہور ترین کتب میں شمار ہوتی ہیں۔ حکیم صاحب مرحوم یہاں طبِ یونانی میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، وہاں علم و ادب میں بھی ان کا مقام بلند تھا۔ حکیم صاحب کے بھائی، خان بہادر مولوی رحمٰن علی خاں صاحب اپنے زمانے کی مشہور اور علم و ادب میں یکتا شخصیت تھے۔ مشہور و معروف شاعرِ لسان العصر حضرت نوح ناروی مرحوم بھی بہت قریبی رشتے سے محترم ابنِ صفی کے ماموں ہوتے تھے۔ اسی طرح صفی صاحب کے ننھیال میں صاحبانِ علم و فضل کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔ ابن صفی کی تعلیم و تربیت میں اُن کی والدہ محترمہ کا بڑا ہاتھ رہا۔ والد صاحب، محترم صفی اللہ مرحوم خود بھی بہت اعلیٰ اور علمی ذوق کے مالک تھے۔ ابنِ صفی کے دادا، جناب مولوی عبدالفتاح مرحوم "قصبہ نارہ" کے اچھے زمیندار تھے۔ انھیں بھی مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ ابن صفی بتایا کرتے تھے کہ ہمارے گھر میں کتابوں کے انبار لگے رہا کرتے تھے۔ ان ہی کتابوں کے انبار میں، میں نے ۲۶ جولائی ۱۹۲۸ء کو نہ صرف آنکھ کھولی تھی، بلکہ پہلی چیخ بھی نکالی تھی۔ شاید اتنی ڈھیر ساری کتابیں، اپنے اِرد گرد دیکھ کر، بے اختیار خوشی سے چیخ پڑا تھا۔ میں نے سات آٹھ سال کی عمر میں ہی طلسمِ ہوشربا کی ساتوں جلدیں ختم کر ڈالی تھیں۔ حالانکہ لوگ حیرت کرتے تھے کہ زمیندار کا پوتا ہو کر سیر و تفریح کے بجائے کتابوں کا کیڑا بنا رہتا ہے۔

ان کے مزاج کی یہ انفرادیت نارہ سے الہ آباد آنے کے بعد بھی برقرار رہی۔ وہ گاؤں سے علم و فضل کے جو اثرات لے کر شہر آئے تھے، اس کے نقوش اتنے گہرے اور پختہ تھے کہ شہر کا ہنگامہ خیز ماحول اُن پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ بلکہ بڑھتے ہوئے شعور کے ساتھ ساتھ صلاحیت و انفرادیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ انھیں فنِ مصوری سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ ابن صفی نے ایک بار مجھے اپنے دورِ طالب علمی کی ایک خوبصورت غزل سنائی تھی، جو غالباً ویکلی "شاہد" میں شائع ہوئی تھی۔ شاہد، ویکلی بمبئی سے جناب عادل رشید مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے اکثر شماروں میں ابن صفی کے افسانے اور غزلیں شائع ہوتی رہی ہیں۔

ایک بار بہت موڈ میں تھے۔ کہنے لگے "جب میری کہانی جس کا عنوان "ناکام آرزو" تھا، شاہد ویکلی میں شائع ہوئی تو ایڈیٹر نے مصنف کی جگہ یہ لکھا: نتیجۂ فکر مصورِ جذبات حضرت اسرار ناروی۔ ایڈیٹر صاحب نے بغیر داڑھی نکلے ہی، مجھے مصورِ جذبات، حضرت اسرار ناروی بنا دیا۔ میرے گھر والوں نے اِس لقب میں ایک اور کا اضافہ کر دیا۔ گھر والے مجھے اس طرح پکارتے "ابے او مصورِ جذبات! ذرا اِدھر تو آ"

جب میں نے بہت تلاش کے بعد شاہد ویکلی میں شائع شدہ وہ کہانیاں پڑھیں تو یقین مانئے، مجھے یقین نہ آیا کہ یہ کہانیاں ابن صفی نے زمانۂ طالب علمی میں تحریر کی ہیں۔ ان کی تحریر میں طنز اور مزاح کا عنصر شروع ہی سے غالب رہا۔ جس نے ان کی تحریر کو چار چاند لگا دیئے... اور انفرادیت بخشی۔ دورانِ گفتگو بھی وہ بڑے معنی خیز اور طنز و مزاح سے بھرپور جملے بولا کرتے تھے۔

ابن صفی بتاتے تھے کہ غالباً ۱۹۴۴ء میں انھوں نے ڈی اے وی ہائی اسکول، الہ آباد سے میٹرک پاس کیا تھا۔ یہ اسکول ابن صفی کے گھر حسن منزل، سے قریب ہی واقع تھا۔ ابن صفی نے اس اسکول میں پانچویں جماعت سے لے کر میٹرک تک تعلیم

حاصل کی۔ اس سے قبل اوّل تا درجہ چہارم تک تعلیم مجیدیہ اسلامیہ ہائی اسکول، سے حاصل کی۔ یہ اسکول بھی گھر سے قریب ہی تھا۔ اب یہ اسکول، کالج میں بدل چکا ہے۔ ابن صفی بتاتے تھے کہ جب وہ ڈی اے وی ہائی اسکول میں دسویں جماعت کے طالب علم تھے تو اس دور میں بہت زیادہ لکھا کرتے تھے۔ اس کے باوجود کبھی کسی ادبی حلقے سے وابستہ نہیں رہے۔ بس خاموشی سے اپنی علمی اور ادبی کاوشوں میں مصروف رہے۔

۱۹۴۴ء کا دور جنگ عظیم کا دور تھا۔ جنگ کے شعلوں نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ جرمنی کی نازی طاقت ساری دنیا کو اپنے زیر اثر دیکھنا چاہتی تھی۔ تمام بڑی طاقتیں اس جنگ میں ملوث ہو چکی تھیں۔ ہندوستان چونکہ برطانیہ کے زیر تسلط تھا اس لئے وہ بھی اس جنگ سے کنارا کش نہ ہو سکا۔ اس زمانے میں ضرورت کی ہر شے راشن کارڈ کے ذریعے ملتی تھی۔ اُسی دور کا ایک واقعہ ابن صفی کے دوست محترم شکیل جمالی نے ابن صفی کی موجودگی میں ہی سُنایا تھا کہ ابن صفی مٹی کا تیل لینے کے لئے جب تیل کے ڈپو پر پہنچے تو وہاں بہت ہجوم تھا۔ ہر شخص ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑ رہا تھا کیونکہ اس زمانے میں قطار بنانے کا رواج نہیں تھا۔ بڑی مشکلوں سے ہم دونوں نے مٹی کا تیل حاصل کیا۔ جب بھیڑ سے نکلنے لگے تو اسرار کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ گئی۔ غالباً پیچھے سے کسی نے دھکا دے دیا تھا۔ سارا تیل بہہ گیا اور اس کی انگلیوں سے خون جاری ہو گیا تھا میں نے بے اختیار پوچھا "بوتل کیسے ٹوٹ گئی؟"

"بس ٹوٹ گئی!" ابن صفی نے جواب دیا۔

"یہ تمہاری انگلیوں سے خون کیوں بہہ رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

بڑے طنزیہ انداز میں بولے "تو کیا ان سے مٹی کا تیل بہنے لگتا؟" اس بات پر میرے علاوہ آس پاس کھڑے تمام لوگ ہنس پڑے۔ جب ہم واپس گھر کی طرف چلے تو میں نے پھر سوال کیا "مٹی کے تیل کا کیا ہو گا؟"

"لہو کے چراغ جلیں گے! اماں جنگ میں یہی کچھ تو ہوتا ہے!"

میں دیکھ رہا تھا کہ جب جناب شکیل جمالی یہ قصہ سُنا رہے تھے تو ابن صفی اپنے مخصوص انداز میں گردن خم کر کے مسکرا رہے تھے۔

اپنے اُسی دور کے واقعات سُناتے ہوئے ایک بار ابن صفی نے بتایا کہ دوسری جنگِ عظیم کے موقعے پر پورے ملک پر فوجی فضا چھائی ہوئی تھی۔ چیزیں نایاب تھیں۔ لوگ بے روزگاری کا شکار تھے اور مجبور ہو کر دھڑا دھڑ فوج میں بھرتی ہو رہے تھے۔ اُس کے ساتھ ساتھ عوام، حکومتِ برطانیہ کی غلامی سے جلد از جلد آزاد ہونا بھی چاہتے تھے۔ ہر طرف سے انقلاب کا نعرہ بلند ہو چکا تھا۔ تحریکِ آزادی نے ایک نئی کروٹ لے لی تھی۔ ہر طرف جوش اور جذبے کا دَور دَورہ تھا۔ اِس جدوجہد میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ ہر محاذ پر لوگ لڑ رہے تھے۔ ادیبوں اور شاعروں نے اپنے نوکِ قلم کو نشتر کر لیا تھا۔ اس وقت لب و رخسار کی باتیں نہیں ہو رہی تھیں۔ ہر طرف دار و رسن کے گیت سُنائی دے رہے تھے۔ اِن انقلابی نظموں نے عوام کے جوش و خروش کو دو چند کر دیا تھا۔ بچے بچے کے زبان پر آزادی کے ترانے تھے۔ اُسی زمانے میں ابن صفی نے بھی ایک خوبصورت نظم کہی تھی۔ یہ نظم انھوں نے ایک خاص کیف اور جذب کے عالم میں جب مجھے سنائی تو یقین کیجئے کہ وہ دَور، جو میری آنکھوں سے اوجھل تھا، یکایک روشن ہو گیا اور خود میں بھی جوش و ولولہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ آیئے! اس کیف میں آپ بھی شامل ہو جائیں ؎

وہ دیکھو اُفق کے سینے پر لہرائے شہیدوں کے دامن
بن جائے گا لالہ زار وطن کچھ دیر میں شہداء کا مدفن

ابن صفی نے بتایا تھا کہ یہ نظم انھوں نے غالباً ۱۹۴۲ء میں کہی تھی اور اس وقت وہ آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے!...

میرے ذہن میں یادوں کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ میں بار بار آنکھیں کھول رہا ہوں اور بند کر رہا ہوں۔ کبھی کبھی ابن صفی کے قہقہے بھی گونج جاتے ہیں۔ وہ مجسم میرے سامنے ہیں۔ میں انھیں دیکھ رہا ہوں۔ میں انھیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لینے کے لئے بازو پھیلا کر آگے بڑھتا ہوں، لیکن میرے بازو ہوا میں لہرا کر رہ گئے ہیں۔ میری آنکھیں دُھندلا رہی ہیں۔ یہ ننھے ننھے ستارے، جو میری پلکوں پر جھلملا رہے ہیں، میں انھیں محفوظ رکھنا چاہتا ہوں یہ میرا سرمایہ ہیں۔ انھیں محفوظ رہنا چاہیئے یونہی جھلملاتے رہنا چاہیئے، زندہ رہنا چاہیئے!"